لعنت کو لیے ہوئے طاعون کے چوہوں کی طرح دنیا بھر میں اسے پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ پھر یہی دھمکی مسلمانوں کو دی گئی اور مسلمانوں نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے نماز اور زکوٰۃ سے غفلت کی، اور خدا کی بخشی ہوئی طاقت کو نیکیاں پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے میں استعمال کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ حکومت کے تخت سے اتار کر پھینک دیے گئے۔ دنیا بھر میں ظالموں کا تختۂ مشق بن رہے ہیں، اور روئے زمین میں ہر جگہ ضعیف اور مغلوب ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کو چھوڑنے کا انجام بد تو دیکھ چکے۔ اب ان میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو مسلمانوں کو بے حیائی، فحش اور بدکاری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے، اور ان سے کہہ رہی ہے کہ تمہارے افلاس کا علاج یہ ہے کہ بینک اور انشورنس کمپنیاں قائم کرو اور سود خواری شروع کر دو۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے یہ کیا تو وہی ذلت اور خواری ان پر مسلّط ہو کر رہے گی جس میں یہودی مبتلا ہوئے ہیں، اور یہی خدا کی اُس لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے جس نے بنی اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔

برادرانِ اسلام! آئندہ خطبوں میں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے، کتنی بڑی طاقت اللہ نے اس چیز میں بھر دی ہے، اور آج جس رحمت خداوندی کو مسلمان ایک معمولی چیز سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں کتنی بڑی برکتیں رکھتی ہے۔ آج کے خطبہ میں میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا اسلام میں درجہ کیا ہے۔ بہت سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر قرآن اس کی صاف الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ قرآن کی رُو سے کلمۂ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی، جیسا کہ میں ابھی آپ سے بیان کر چکا ہوں۔ صحابۂ کرامؓ کو ابتدا میں شبہ تھا کہ آیا وہ مسلمان جو خدا اور رسول کا اقرار کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیا جا سکتا

ہے یا نہیں جن پر تلوار اُٹھانے کا حکم ہے ۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ جن کو اللہ نے مقام نبوت کے قریب درجہ عطا فرمایا تھا، اپنی بات پر اڑ گئے اور انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اُس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے، اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان پر تلوار اُٹھاؤں گا، تو بالآخر تمام صحابہؓ کے دلوں کو اللہ نے حق کے لیے کھول دیا اور سب نے یہ بات تسلیم کر لی کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے پر جہاد کرنا چاہیے ۔ قرآن مجید تو صاف کہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا اُن مشرکین کا کام ہے جو آخرت کے منکر ہیں ۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ۔ (حٰمٓ سجدہ ۔ ۱) "تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں"۔

زکوٰۃ کی حقیقت

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں کہ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے، اور یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ جس طرح نماز سے انکار کرنے والے کو کافر ٹھیرایا گیا ہے اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو بھی نہ صرف کافر ٹھیرایا گیا، بلکہ ان پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق جہاد کیا ہے۔

اب میں آج کے خطبہ میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ دراصل ہے کیا چیز اور اسلام میں اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔

آپ میں سے بعض لوگ تو ایسے سیدھے سادھے ہیں جو ہر کس و ناکس کو دوست بنا لیتے ہیں، اور کبھی دوست بناتے وقت آدمی کو پرکھتے نہیں کہ وہ واقع میں دوست بنانے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ ایسے لوگ دوستی میں اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعد میں ان کو بڑی مایوسیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن جو عقلمند لوگ ہیں وہ جن لوگوں سے ملتے ہیں ان کو خوب پرکھ کر ہر طریقہ سے جانچ پڑتال کر کے دیکھتے ہیں، پھر جو کوئی ان میں سے سچا، مخلص، وفادار آدمی ملتا ہے صرف اسی کو دوست بناتے ہیں، اور بے کار آدمیوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے۔ اس سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا دوست بنا لے گا، اپنی پارٹی میں شامل کر لے گا، اور اپنے دربار میں عزت اور قربت کی جگہ دے گا۔ جب انسانوں کی دانائی و عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بغیر جانچے اور پرکھے کسی

کو دوست نہیں بنانے تو اللہ جو ساری دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے، اس کے لیے تو ناممکن ہے کہ جانچنے اور پرکھنے کے بغیر ہر ایک کو اپنی دوستی کا شرف بخشے۔ یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، جن میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں، اچھے اور برے، سب کے سب اس قابل نہیں ہوسکتے کہ اللہ کی اُس پارٹی، اُس حزب اللہ میں شامل کر لیے جائیں جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ، اور آخرت میں تقرب کا مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کمال درجہ حکمت کے ساتھ چند امتحان، چند آزمائشیں، چند معیار جانچنے اور پرکھنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں کہ انسانوں میں سے جو کوئی ان پر پورا اُترے وہ تو اللہ کی پارٹی میں آجائے، اور جو ان پر پورا نہ اُترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور وہ خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔

یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم و دانا ہے اس لیے سب سے پہلا امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی کا ہی لیتا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ اُس میں سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں؟ نرا احمق تو نہیں ہے؟ اس لیے کہ جاہل اور بے وقوف کبھی دانا اور حکیم کا دوست نہیں بن سکتا۔ جو شخص اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر پہچان لے کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے، اور اس کے سوا کوئی معبود، کوئی پروردگار، کوئی دعائیں سُننے اور مدد کرنے والا نہیں ہے، اور جو شخص اللہ کے کلام کو سُن کر جان لے کہ یہ میرے مالک ہی کا کلام ہے، کسی اور کا کلام نہیں ہوسکتا، اور جو شخص سچے نبی اور جھوٹے مدعیوں کی زندگی، ان کے اخلاق، ان کے معاملات، ان کی تعلیمات، ان کے کارناموں کے فرق کو ٹھیک ٹھیک سمجھے اور پہچان جائے کہ نبوت کا دعوے کرنے والوں میں سے فلاں ذاتِ پاک حقیقت میں خدا کی طرف سے ہدایت بخشنے کے لیے آئی ہے، اور فلاں دجّال ہے، دھوکا دینے والا ہے، ایسا شخص دانائی کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے اور اس کو انسانوں کی بھیڑ بھاڑ سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی کے منتخب امیدواروں میں شامل کر لیتا ہے۔ باقی لوگ جو پہلے ہی امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے

کہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں۔

اس پہلے امتحان میں جو امیدوار کامیاب ہو جاتے ہیں، انہیں پھر دوسرے امتحان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس دوسرے امتحان میں آدمی کی عقل کے ساتھ اس کی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس آدمی میں سچائی اور نیکی کو جان کر اُسے قبول کر لینے اور اس پر عمل کرنے کی، اور جھوٹ اور بدی کو جان کر اسے چھوڑ دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں؟ یہ اپنے نفس کی خواہشات کا، باپ دادا کی تقلید کا، خاندانی رسموں کا، دنیا کے عام خیالات اور طور طریقوں کا غلام تو نہیں ہے؟ اس میں یہ کمزوری تو نہیں ہے کہ ایک چیز کو خدا کی ہدایت کے خلاف پاتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ بُری ہے، مگر اسی کے چکر میں پڑا رہتا ہے، اور دوسری چیز کو جانتا ہے کہ خدا کے نزدیک وہی حق اور پسندیدہ ہے مگر اسے اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ اس امتحان میں جو لوگ فیل ہو جاتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کر دیتا ہے، اور صرف ان لوگوں کو چُنتا ہے جن کی تعریف یہ ہے کہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف جو راستہ اور جو طریقہ بھی ہو اسے وہ جرأت کے ساتھ چھوڑ دیں، کسی چیز کی پروا نہ کریں، اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں خواہ اس میں کوئی ناراض ہو یا خوش۔

اس امتحان میں جو لوگ کامیاب نکلتے ہیں ان کو پھر تیسرے درجے کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ اس درجے میں اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے۔ یہاں حکم دیا جاتا ہے کہ جب ہماری طرف سے ڈیوٹی کی پکار بلند ہو تو اپنی نیند قربان کرو اور حاضر ہو۔ اپنے کام کاج کا ہرج کرو اور آؤ۔ اپنی دلچسپیوں کو، اپنے فائدوں کو، اپنے لطف اور تفریح کو چھوڑو اور آکر فرض بجا لاؤ۔ گرمی ہو، برسات ہو، جاڑا ہو، کچھ ہو، بہر حال جب فرض کے لیے پکارا جائے تو ہر مشقت قبول کرو اور

دوڑے ہوئے آؤ۔ پھر جب ہم حکم دیں کہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہو، اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکو تو اس حکم کی پوری پوری تعمیل تمہیں کرنی چاہیے خواہ بھوک پیاس کی کیسی ہی تکلیف ہو اور چاہے لطیف کھانوں اور مزیدار شربتوں کے ڈھیر ہی تمہارے سامنے کیوں نہ لگے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اس امتحان میں کچے نکلتے ہیں ان سے بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے کام کے نہیں ہو۔ انتخاب صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس تیسرے امتحان میں بھی پکے ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ صرف انہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ خدا کی طرف سے جو قوانین اُن کے لیے بنائے جائیں گے اور جو ہدایات ان کو دی جائیں گی، وہ خفیہ اور علانیہ، فائدے اور نقصان، راحت اور تکلیف، ہر حال میں ان کی پابندی کر سکیں گے۔

اس کے بعد چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے۔ تیسرے امتحان کے کامیاب امیدوار ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خدا کی ملازمت میں باقاعدہ لے لیے جائیں۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ کہیں وہ چھوٹے دل کے، پست ہمت، کم حوصلہ، تنگ ظرف تو نہیں ہیں؟ ان لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جو محبت اور دوستی کے دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں مگر اپنے محبوب اور دوست کی خاطر جب گرہ سے کچھ خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ "گر زر طلبی سخن دریں است"؟ ان کا حال اُس شخص کا سا تو نہیں ہے جو زبان سے تو ماتا جی ماتا جی کہتا ہے، اور ماتا جی کی خاطر دنیا بھر سے جھگڑا بھی لیتا ہے، مگر جب وہی ماتا جی اس کے غلّے کی ٹوکری یا اُس کی سبزی کے ڈھیر پر منہ مارتی ہیں تو لٹھ لے کر ان کے پیچھے دوڑتا ہے، اور مار مار کر ان کی کھال اُڑا دیتا ہے؟ ایسے خود غرض، زر پرست، تنگ دل آدمی کو تو معمولی درجہ کا عقلمند انسان بھی دوست نہیں بناتا۔ اور ایک بڑے دل والا انسان اس قسم کے ذلیل آدمی کو اپنے پاس جگہ دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر بھلا وہ بزرگ و برتر خدا، جو اپنے خزانے ہر آن اپنی بے حد و حساب مخلوق پر بے حد و حساب طریقہ سے لُٹا

رہا ہے، ایسے شخص کو کب اپنی دوستی کے قابل سمجھ سکتا ہے جو خدا کے دیئے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی جی چُراتا ہو؟ اور وہ خدا جس کی دانائی و حکمت سب سے بڑھ کر ہے، کس طرح اُس انسان کو اپنی پارٹی میں شامل کرسکتا ہے جس کی دوستی و محبت فقط زبانی جمع خرچ تک ہو، اور جس پر کبھی بھروسہ نہ کیا جا سکتا ہو؟ پس جو لوگ اس چوتھے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو بھی صاف جواب دے دیا جاتا ہے کہ جاؤ، تمہارے لیے اللہ کی پارٹی میں جگہ نہیں ہے، تم بھی ناکارہ ہو، اور تم اُس عظیم الشان خدمت کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جو خلیفۂ الٰہی کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس پارٹی میں صرف وہ لوگ شامل کیے جا سکتے ہیں جو اللہ کی محبت پر جان، مال، اولاد، خاندان، وطن، ہر چیز کی محبت کو قربان کردیں:۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (آل عمران - ۱۰) — تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے۔

اس پارٹی میں تنگ دلوں کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اس میں تو صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کے دل بڑے ہیں:۔

وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ (التغابن - ۲) — جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں تو فراخ حوصلہ لوگوں کی ضرورت ہے کہ اگر کسی شخص نے ان کے ساتھ دشمنی بھی کی ہو، اُن کو نقصان اور رنج بھی پہنچایا ہو، ان کے دل کے ٹکڑے بھی اُڑا دیے ہوں تب بھی وہ خدا کی خاطر اس کے پیٹ کو روٹی اور اس کے تن کو کپڑا دینے سے انکار نہ کریں، اور اُس کی مصیبت کے وقت میں اُس کی مدد سے دریغ نہ کریں:۔

وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ — تم میں سے جو بڑے اور صاحب مقدرت لوگ ہیں

وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى	وہ اپنے عزیزوں اور مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ	کرنے والوں کے کسی قصور پر بگڑ کر ان کی مدد سے ہاتھ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا	نہ کھینچ لیں، بلکہ چاہیے کہ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں
اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ	کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے، حالانکہ اللہ بڑا
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (النور - ۳)	بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے[1]۔

یہاں اُن عالی ظرف لوگوں کی ضرورت ہے جو:-

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا	محض خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا
وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ	کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کے لیے تمہیں کھلا
لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ (الدھر - ۱)	رہے ہیں، تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے ۔

یہاں ان پاک دل والوں کی ضرورت ہے جو خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں بہتر سے بہتر مال چھانٹ کر دیں:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ	اے ایمان والو! تم نے جو مال کمائے ہیں اور جو رزق تمہارے
طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ	لیے ہم نے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال راہ خدا
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ۔ (البقرہ - ۳۷)	میں صرف کرو، بُرے سے بُرا چھانٹ کر نہ دو۔

یہاں ان بڑی ہمت والوں کی ضرورت ہے جو تنگ دستی اور غربت و افلاس کی حالت میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خدا کے دین کی خدمت اور خدا کے بندوں کی مدد میں روپیہ صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے ۔

[1] - یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز نے آپکی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے اس ناروا حرکت سے ناراض ہو کر اُس کی مالی مدد بند کر دی تھی ۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۔ (اٰل عمران - ۱۴)

اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف لپکو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو تیار کر کے رکھی گئی ہے اُن پرہیزگار لوگوں کے لیے جو خوش حالی اور تنگ حالی دونوں حالتوں میں خدا کے لیے خرچ کرتے ہیں ۔

یہاں اُن ایمان داروں کی ضرورت ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے گا وہ ضائع نہ ہوگا بلکہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین بدل عطا فرمائے گا، اس لیے وہ محض خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ لوگوں کو اُن کی فیاضی و سخاوت کا حال معلوم ہوا یا نہیں اور کسی نے ان کی بخشش کا شکریہ ادا کیا یا نہیں :۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ ۵ - ۳۱)

تم جو کچھ بھی راہ حق میں خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لیے بھلائی ہے جبکہ تم اپنے اس خرچ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی نہیں چاہتے ۔ اس طرح جو کچھ بھی تم کار خیر میں صرف کرو گے اس کا پورا پورا اللہ تم کو ملے گا اور سارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا ۔

یہاں اُن بہادروں کی ضرورت ہے جو دولت مندی اور خوشحالی میں بھی خدا کو نہیں بھولتے، جن کو محلوں میں بیٹھ کر اور ناز و نعمت میں رہ کر بھی خدا یاد رہتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے ۔ جو ایسا کرے گا وہ خود

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ (المنٰفقون - ۲) ہی ٹوٹے میں رہنے والا ہے ۔

یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے والوں کی لازمی صفات ہیں ۔ ان کے بغیر کوئی شخص خدا کے دوستوں میں شامل نہیں ہو سکتا ۔ دراصل یہ انسان کے اخلاق ہی کا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا بہت کڑا اور سخت امتحان ہے ۔ جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے ، اس خرچ کو اپنے اوپر چٹی اور جرمانہ سمجھتا ہے ، حیلوں اور بہانوں سے بچاؤ کی صورتیں نکالتا ہے ، اور اگر خرچ کرتا ہے تو اپنی دلی تکلیف کا بخار لوگوں پر احسان رکھ کر نکالنے کی کوشش کرتا ہے ، یا یہ چاہتا ہے کہ اس کی سخاوت کا دنیا میں اشتہار دیا جائے ، وہ دراصل خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا ۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ گیا وہ ضائع ہو گیا ۔ اس کو اپنا عیش ، اپنا آرام ، اپنی لذتیں ، اپنے فائدے اور اپنی ناموری ، خدا سے اور اس کی خوشنودی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس دنیا کی زندگی ہے ۔ اگر روپیہ صرف کیا جائے تو اسی دنیا میں ناموری اور شہرت ہونی چاہیئے تاکہ اس روپے کی قیمت یہیں وصول ہو جائے ، ورنہ اگر روپیہ بھی گیا اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ فلاں صاحب نے فلاں کارِ خیر میں اتنا مال صرف کیا ہے تو گویا سب مٹی میں مل گیا ۔ قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ اس قسم کا آدمی خدا کے کسی کام کا نہیں ، وہ اگر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو منافق ہے ۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ (البقرہ - ۲۶۴)	اے ایمان والو ! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو اُس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھانے اور نام چاہنے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ۔
وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ (التوبہ ۔ ۵)

اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت سزا کی بشارت دے دو۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۔ (التوبہ ۔ ۷)

اے نبی! جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی نہ چاہیں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ اپنے متقی بندوں کو خوب جانتا ہے۔ معذرت صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۔ (التوبہ ۔ ۷)

راہ خدا میں ان کے خرچ کیے ہوئے مال صرف اس لیے قبول نہیں کیے جا سکتے کہ وہ در اصل اللہ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ نماز کو آتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر اور مال خرچ کرتے ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (التوبہ ۔ ۹)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ وہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں۔ وہ خدا کو بھول گئے اور خدا نے ان کو بھلا دیا یقیناً یہی منافقین فاسق ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

ان اعراب یعنی منافقین میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو

مَغْرَمًا ۔	راہ خدا میں خرچ کرتے بھی ہیں تو زبردستی کی چٹی سمجھ کر۔
(التوبہ - ۱۲)	
هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۔	سن رکھو! تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم میں سے بہت لوگ بخل کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی لیے بخل کرتا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج ہو۔ اگر تم نے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔
(محمد - ۴)	

برادران اسلام! یہ ہے اُس زکوٰۃ کی حقیقت جو آپ کے دین کا ایک رکن ہے۔ اس کو دنیا کی حکومتوں کے ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھیے۔ بلکہ دراصل یہ اسلام کی روح اور اس کی جان ہے۔ یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے۔ جس طرح درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے، یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر گریجویٹ بنتا ہے، اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں جن سے آدمی کو گزرنا پڑتا ہے، اور جب وہ چوتھا امتحان، یعنی مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے۔ اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا ہے جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ لیکن اسلام کے دائرے میں، یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں آنے کے لیے داخلے کے جو امتحانات مقرر کیے گئے ہیں ان میں یہ آخری امتحان ہے۔ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں

کہ خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے وعظ تو مسلمانوں کو بہت سُنائے جا چکے ۔ اب اس غربت وافلاس کی حالت میں تو ان کو کمانے اور جمع کرنے کے وعظ سُنانے چاہییں ۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں ، دراصل یہی اسلام کی روح ہے ، اور مسلمانوں کو جس چیز نے پستی و ذلّت کے گڑھے میں گرایا ہے وہ دراصل اسی روح کی کمی ہے ۔ مسلمان اس لیے نہیں گرے کہ اس روح نے ان کو گرا دیا ، بلکہ اس لیے گرے ہیں کہ یہ روح ان سے نکل گئی ہے ۔

آئندہ خطبات میں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ اور صدقات حقیقت میں ہماری جماعتی زندگی کی جان ہیں اور ان میں ہمارے لیے آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی ساری نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں ۔

اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

برادرانِ اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کر چکا ہوں۔ اب میں آپ کے سامنے اس کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالوں گا۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے لیے جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی "خدا کی راہ میں خرچ کرنا"۔ بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راہِ خدا میں صرف کرتے ہو یہ اللہ کے ذمہ قرضۂ حسنہ ہے۔ گویا تم اللہ کو قرض دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا قرض دار ہو جاتا ہے۔ بکثرت مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور وہ نہ صرف اُتنا ہی تم کو واپس کرے گا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا۔ اس مضمون پر غور کیجیے۔ کیا زمین و آسمان کا مالک، نعوذ باللہ آپ کا محتاج ہے؟ کیا اس ذات پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ بادشاہوں کا بادشاہ، وہ بے حد و حساب خزانوں کا مالک اپنے لیے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ اُسی کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں۔ آپ میں سے ہر امیر اور غریب کے پاس جو کچھ ہے سب اُسی کا تو عطیہ ہے۔ آپ کے ایک فقیر سے لے کر ایک کروڑ پتی اور ارب پتی تک ہر شخص اس کے کرم کا محتاج ہے، اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کو کیا ضرورت کہ آپ سے قرض مانگے اور اپنی ذات کے لیے آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے؟ دراصل یہ بھی اس کی شان کریمی ہے کہ وہ آپ سے خود آپ ہی کے فائدے کے لیے، آپ ہی کی بھلائی کے لیے، آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرماتا

ہے، اور کہتا ہے کہ یہ خرچ میری راہ میں ہے، مجھ پہ قرض ہے، میرے ذمّہ اس کا بدلہ ہے، اور مَیں تمہارا احسان مانتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو دو۔ اس کا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں گے۔ ان کی طرف سے مَیں دوں گا۔ تم اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کرو۔ اس کا احسان اُن پر نہیں، مجھ پر ہے، مَیں تمہارے اس احسان کو اُتاروں گا۔ تم اپنے یتیموں، اپنی بیواؤں، اپنے معذوروں، اپنے مسافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دو اُسے میرے حساب میں لکھ لو۔ تمہارا مطالبہ اُن کے ذمّہ نہیں، میرے ذمّہ ہے اور مَیں اس کو ادا کروں گا۔ تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دو اور اُن سے سُود نہ مانگو، ان کو تنگ نہ کرو، اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو اُن کو جیل نہ بھجواؤ، ان کے کپڑے اور گھر کے برتن فروخت نہ کراؤ، ان کے بال بچوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو۔ تمہارا قرض ان کے ذمّہ نہیں، میرے ذمّہ ہے۔ اگر وہ اصل ادا کریں گے تو ان کی طرف سے سُود مَیں دوں گا۔ اور اگر وہ اصل بھی ادا نہ کر سکیں گے تو مَیں اصل اور سُود دونوں تمہیں دوں گا۔ اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں، اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کے لیے جو کچھ تم خرچ کرو گے، اس کا فائدہ اگرچہ تمہیں کو ملے گا، مگر اس کا احسان مجھ پر ہو گا۔ مَیں اس کی پائی پائی منافع سمیت تمہیں واپس دوں گا۔

یہ ہے اُس کریموں کے کریم، اُس بادشاہوں کے بادشاہ کی شان۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے اُسی کا بخشا ہوا ہے۔ تم کہیں اور سے نہیں لاتے۔ اُسی کے خزانوں سے لیتے ہو۔ اور پھر جو کچھ دیتے ہو، اُس کو نہیں دیتے، اپنے ہی رشتہ داروں، اپنے ہی بھائی بندوں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دیتے ہو، یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو جس کا فائدہ آخرکار تم ہی کو پہنچتا ہے۔ مگر اُس فیاضِ حقیقی کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو، اُسے وہ فرماتا ہے کہ تم نے مجھے دیا، میری راہ میں دیا، مجھے قرض دیا، مَیں اس کا اجر تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر! خداوندِ عالم

ہی کو یہ شان کریمی زیب دیتی ہے۔ اُسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہے کہ فیاضی اور جُود و کرم کے اس بلند ترین کمال کا اظہار کرے۔ کوئی انسان اس بلند خیالی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

اچھا، اب اس بات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر اُبھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر جتنا زیادہ آپ غور کریں گے اسی قدر زیادہ آپ پر اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھُلے گا، اور آپ کا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ ایسی بے نظیر تعلیم خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہو نہیں سکتی۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان کچھ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلوم و جھول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے۔ یہ زیادہ دُور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصوّر اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اُسی نتیجہ کو نتیجہ اور اُسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دور رس نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی، اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جن فائدوں کا سلسلہ بہت دُور تک چلتا ہے اُن کا ادراک اسے مشکل سے ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے، اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہو جائے، اور اس کو محسوس ہو جائے۔ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے، یا جو کچھ مجھے اپنے باپ دادا سے ملا ہے یہ میرا ہے۔ اس میں کسی کا حصّہ نہیں۔ اس کو میری ضروریات پر، میری خواہشات پر، میری آسائش اور میری لذتِ نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ یا ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیے جس کا نفع جلدی سے

محسوس صورت میں میرے پاس پلٹ آئے۔ میں روپیہ صرف کروں تو اس کے بدلے میں یا تو میرے پاس اس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیے، یا میری آسائش میں کچھ مزید اضافہ ہونا چاہیے، یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے، میری شہرت ہو، میری عزت بڑھے، مجھے خطاب ملے، اونچی کرسی ملے، لوگ میرے سامنے جھکیں، اور زبانوں پر میرا چرچا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ غریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہے یا آوارہ پھر رہا ہے تو میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ اس کا حق اس کے باپ پر تھا۔ اسے اپنی اولاد کے لیے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے تھا یا انشورنس کرانا چاہیے تھا۔ کوئی بیوہ اگر میرے محلہ میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اس کے شوہر کو اس کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بے وقوف اپنا انتظام کیے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے۔ اسے بھی اللہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیے ہیں۔ اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہییں۔ میں اس کی کیوں مدد کروں؟ میں اسے دوں گا تو قرض دوں گا اور اصل کے ساتھ سود بھی وصول کروں گا، کیونکہ میرا روپیہ کچھ بیکار تو ہے نہیں۔ میں اس سے مکان بنواتا، یا موٹر خریدتا، یا کسی نفع کے کام پر لگاتا۔ یہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اٹھائے گا، پھر کیوں نہ میں اس فائدے میں سے اپنا حصہ وصول کروں؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا۔ یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرے گا۔ جہاں اس کو اپنا فائدہ نظر نہ آئے گا وہاں ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نہ نکلے گا۔ اگر کسی غریب کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اس کو لوٹے گا، اور جو کچھ اسے دے گا اس سے زیادہ وصول کر لے گا۔ اگر کسی مسکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں احسان رکھ کر اس کی آدھی جان نکال لے گا اور اس کی اتنی تذلیل

وتحقیر کرے گا کہ اس میں کوئی خودداری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے۔ جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اس کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لیے مہلک نہیں ہیں بلکہ آخر کار خود اُس شخص کے لیے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لیے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے سے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں، اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہے۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر اُتر آتی ہے۔ عام بلوے ہوتے ہیں۔ دولت مند لوگ قتل کیے جاتے ہیں، ان کے گھر بار لوٹے اور جلائے جاتے ہیں، اور وہ اس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ ان کا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اُس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرہ میں وہ رہتا ہے۔ آپ کے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر آپ کے پاس پلٹ کر آئے گی۔ اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھیں گے

یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے تو یہ بالآخر گھٹتی چلی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے تعلیم دے کر اس قابل بنادیا کہ وہ آپ کی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ، جو جماعت کے ایک فرد ہیں، آپ کو بھی اس دولت میں سے بہرحال حصہ ملے گا، خواہ آپ کو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہوسکے کہ یہ حصہ آپ کو اُس خاص یتیم کی قابلیت سے پہنچا ہے جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ لیکن اگر آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اس کی مدد کیوں کروں، اُس کے باپ کو اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑنا چاہیے تھا، تو وہ آوارہ پھرے گا، ایک بے کار آدمی بن کر رہ جائے گا۔ اس میں یہ قابلیت ہی پیدا نہ ہوسکے گی کہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کر سکے۔ بلکہ کچھ عجب نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپ کے گھر میں نقب لگائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو بے کار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اُس کا ہی نہیں، خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر قیاس کر کے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لیے روپیہ صرف کرتا ہے، اس کا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے، مگر باہر وہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں وہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی جیب میں واپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا۔ اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے یا سود دکھا کر اسے اور بڑھاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔ یہی راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:-

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔	اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔	تم جو سود دیتے ہو یہ سمجھ کر کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائیگا تو در اصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی۔ البتہ جو زکوٰۃ تم محض خدا کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہو، وہ دوگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اس کی جہالت مانع ہے۔ یہ محسوسات کا بندہ ہے۔ جو روپیہ اس کی جیب میں ہے اُس کو تو یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کی جیب میں ہے۔ جو روپیہ اس کے بہی کھاتے کی رُو سے بڑھ رہا ہے، اُس کو بھی یہ جانتا ہے کہ واقعی بڑھ رہا ہے۔ مگر جو روپیہ اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اُس کو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے، کس طرح بڑھ رہا ہے، کتنا بڑھ رہا ہے، اور کب اس کے پاس فائدوں اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یہ تو بس یہی سمجھتا ہے کہ اس قدر روپیہ میرے پاس سے گیا اور ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔

اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دُنیا ہے جہاں سارے کام سود خواری پر چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جارہا ہے جس کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جو سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی ساری بساط بھی اُلٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اس حکیم و دانا ہستی نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس قفل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پہ ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا اصل مالک خدا ہے، اور انسانی معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے پاس ایک ایک ذرّے کا حساب ہے، اور انسان کی ساری بھلائیوں اور بُرائیوں کی آخری جزا و سزا ٹھیک ٹھیک حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی، تو اس کے لیے یہ بالکل آسان ہو جائے گا کہ اپنی نظر پہ بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پہ بھروسہ کرے، اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے، اور اس کے نفع و نقصان کو خدا پہ چھوڑ دے۔ اس ایمان کے ساتھ وہ جو کچھ خرچ کرے گا وہ دراصل خدا کو دے گا۔ اس کا حساب کتاب بھی خدا کے ہی کھاتے میں لکھا جائے گا۔ خواہ دُنیا میں کسی کو اس کے احسان کا علم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کے علم میں ضرور آئے گا، اور خواہ اس کا احسان کوئی مانے یا نہ مانے، خدا اس کے احسان کو مانے اور جانے گا، اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا تو یقین ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ایک عام حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی خاص طور پر پابندی کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ اللہ کی یاد ایک بھلائی ہے، سب سے بڑی بھلائی اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ اس کے لیے عام حکم ہے کہ اللہ کو ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت یاد رکھو اور کبھی اس سے غافل نہ ہو:۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کی یاد میں لگے رہو اور

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔

بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں اُن لوگوں کے لیے اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں، جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے رہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین کی بناوٹ پر غور کر کے بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ پروردگار! تُو نے یہ کارخانہ بے کار نہیں بنایا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ

اور اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد

عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ سے غافل پایا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا ہے اور جس کے سارے کام حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

یہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں خدا کی یاد جاری رکھو کیونکہ خدا کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کے معاملات کو درست رکھتی ہے اور اس کو سیدھے راستے پر قائم رکھتی ہے۔ جہاں آدمی اس کی یاد سے غافل ہوا، اور بس نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں نے اس پر قابو پا لیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہ راست سے بھٹک کر اپنی زندگی کے معاملات میں حد سے گزرنے لگے گا۔

دیکھیے! یہ تو تھا عام حکم۔ اب اسی یاد الٰہی کی ایک خاص صورت تجویز کی گئی نماز۔ اور نماز میں بھی پانچ وقت میں چند رکعتیں فرض کر دی گئیں جن میں ہر ایک وقت پانچ چھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔ اس طرح چند منٹ اس وقت اور چند منٹ اس وقت یاد الٰہی کو فرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس آپ اتنی ہی دیر کے لیے خدا کو یاد کریں اور باقی وقت اس کو بھول جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اتنی دیر کے لیے تو تم کو بالکل خدا کی یاد میں لگ جانا چاہیے۔ اس کے بعد اپنے کام بھی کرتے رہو اور ان کو کرتے ہوئے خدا کو بھی یاد کرو۔

بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے۔ یہاں بھی ایک حکم عام ہے اور ایک خاص۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے۔ اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حد حساب مخلوق پر اپنے فیض کے دریا بہا رہا ہے حالانکہ کسی کا اس پر کوئی حق اور دعوے نہیں ہے۔ راہ خدا میں جو کچھ خرچ کر سکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو، بچاؤ اور اس سے خدا کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ دین کی خدمت میں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اگر

خدا سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دو۔ یہ تو ہے عام حکم۔ اور اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر تمہارے پاس جمع ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا خدا کی راہ میں ضرور صرف کرو۔ اور اتنی پیداوار تمہاری زمین میں ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا حصہ تو ضرور خدا کی نذر کردو۔ جس طرح چند رکعت نماز فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت خدا کو یاد کرو اور باقی سارے وقتوں میں اس کو بھول جاؤ، اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو بس انہی کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہیے اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انہیں اپنی مٹھیاں بھینچ لینی چاہییں۔ اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مال وار لوگوں پر جتنی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں، اور اس کے بعد کوئی ضرورت مند آئے تو اسے جھڑک دیں یا دین کی خدمت کا کوئی موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوٰۃ دے چکے، اب ہم سے ایک پائی کی بھی امید نہ رکھو۔ زکوٰۃ فرض کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا مال تو ہر مالدار کو راہ خدا میں دینا ہی پڑے گا، اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اس کو صرف کرنا چاہیے۔

اب میں آپ کے سامنے عام حکم اور خاص حکم دونوں کی تھوڑی سی تشریح بیان کروں گا۔

قرآن مجید کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی خود ہی بتا دیتا ہے تاکہ محکوم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حکم دیا ہے اس کی وجہ کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے۔ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے جس آیت پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کوئی بات شک کی نہیں ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔

یہ ان پرہیزگار لوگوں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتاتی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔

اس آیت میں یہ اصل الاصول بیان کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے تین چیزیں لازمی طور پر شرط ہیں ۔ ایک ایمان بالغیب ۔ دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے جو رزق بھی اللہ نے دیا ہو اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنا ۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۔

تم نیکی کا مقام پا ہی نہیں سکتے جب تک خدا کی راہ میں وہ چیزیں نہ خرچ کرو جن سے تم کو محبت ہے ۔

پھر فرمایا :-

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۔

شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاوگے ۔ وہ تمہیں شرم کی بات یعنی بخیلی کی تعلیم دیتا ہے ۔

اس کے بعد ارشاد ہوا :-

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (کہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنے کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں) ۔

آخر میں فرمایا کہ :-

وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور جو تنگ دلی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں ۔

ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی بسر کرنے کے دو راستے ہیں ۔ ایک خدا کا راستہ ہے جس میں نیکی اور بھلائی اور فلاح اور کامیابی ہے ۔ اس راستے کا قاعدہ یہ ہے

کہ آدمی کا دل کھلا ہوا ہو، جو رزق بھی تھوڑا یا بہت اللہ نے دیا ہو اس سے خود اپنی ضرورتیں بھی پوری کرے اور اپنے بھائیوں کی مدد بھی کرے، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے بھی خرچ کرے۔ دوسرا راستہ شیطان کا راستہ ہے جس میں بظاہر تو آدمی کو فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اس راستہ کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی دولت سمیٹنے کی کوشش کرے اور پیسے پیسے پر جان دے اور دانتوں سے پکڑ کر رکھے تاکہ خرچ نہ ہونے پائے اور خرچ ہو بھی تو بس اپنے ذاتی فائدے اور اپنے نفس کی خواہشات پر ہو۔

اب دیکھیے کہ خدائی راستہ پر چلنے والوں کے لیے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے کیا طریقے بیان ہوتے ہیں۔ میں ان سب کو نمبر وار بیان کرتا ہوں:۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خرچ کرنے میں صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو کسی کو احسان مند بنانے یا دنیا میں نام کرنے کے لیے خرچ نہ کیا جائے:۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۔	تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمہارا اور کوئی مقصود نہیں ہوتا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۔	اے اہل ایمان! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے خرچ کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے تو ساری مٹی بہ جائے اور بس صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو پیسہ دے کر یا روٹی کھلا کر یا کپڑا پہنا کر احسان نہ جتایا

جائے اور ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جس سے اس کے دل کو تکلیف ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور تکلیف نہیں پہنچاتے ان کے لیے خدا کے ہاں اجر ہے اور انہیں کسی نقصان کا خوف یا رنج نہیں۔ رہی وہ خیرات جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سائل کو نرمی سے ٹال دیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ بھائی معاف کرو۔

(۳) تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اچھا مال دیا جائے۔ بُرا چھانٹ کر نہ دیا جائے۔ جو لوگ کسی غریب کو دینے کے لیے پھٹے پُرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں، یا کسی فقیر کو کھلانے کے لیے بدتر سے بدتر کھانا نکالتے ہیں، ان کو بس ایسے ہی اجر کی خدا سے بھی توقع رکھنی چاہیے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ۔

اے اہل ایمان! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال خدا کی راہ میں دو۔ یہ نہ کرو کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے بُرے سے بُرا تلاش کرنے لگو۔

(۴) چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو چھپا کر خرچ کیا جائے تاکہ ریاء اور نمود کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اگرچہ کھلے طریقہ سے خرچ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ڈھانک چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر کھلے طریقہ سے خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر غریب لوگوں کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور

خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۔ اس سے تمہارے گناہ دھلتے ہیں ۔

(۵) پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ کم عقل اور نادان لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے کہ بگڑ جائیں اور بری عادتوں میں پڑ جائیں، بلکہ ان کو جو کچھ دیا جائے ان کی حیثیت کے مطابق دیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو ہر برے سے برے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہیے ۔ مگر شراب نوشی اور چانڈو اور گانجے اور جوے بازی کے لیے رذیل لوگوں کو پیسہ نہ دینا چاہیے ۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ ۔ اپنے اموال جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو ۔ البتہ ان اموال میں سے ان کو کھانے اور پہننے کے لیے دو ۔

(۶) چھٹا قاعدہ یہ بیان ہوا ہے کہ اگر کسی غریب آدمی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کو قرض حسن دیا جائے تو تقاضے کر کے اسے پریشان نہ کیا جائے بلکہ اس کو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے ۔ اور اگر واقعی یہ معلوم ہو کہ وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، اور تم اتنا مال رکھتے ہو کہ اس کو آسانی کے ساتھ معاف کر سکتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو ۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اسے خوشحال ہونے تک مہلت دو ۔ اور صدقہ کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم اس کا فائدہ جانو ۔

(۷) ساتواں قاعدہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کو خیرات کرنے میں بھی حد سے نہ گزرنا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر خیرات کی جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لیے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات

پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ۔

پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اے نبی! کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں، بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۔

نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے اور نہ اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں۔

(۸) آخر میں یہ بھی سن لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کی پوری فہرست بتادی ہے جس کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کون لوگ آپ کی مدد کے مستحق ہیں اور کن کا حق اللہ نے آپ کی کمائی میں رکھا ہے:۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔

اپنے غریب رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔

اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور ایسے لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي

اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔

اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۔

اور نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کے لیے کھلا رہے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے ہم کو تو اپنے خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس کی شدت کی وجہ سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائینگی۔

لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۔

خیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو اپنا سارا وقت خدا کے کام میں دے کر ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی روٹی کمانے کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری کو دیکھ کر تم گمان کرتے ہو کہ وہ غنی ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ ان پہ کیا گزر رہی ہے (ان کو خود جا کر دو کیونکہ) وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر مانگتے پھریں۔ ان کو ڈھانک چھپا کر جو کچھ بھی تم خیرات دو گے اللہ کو اس کی خبر ہوگی اور وہ اس کا بدلہ دے گا۔

زکوٰۃ کے احکام

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کے سامنے انفاق فی سبیل اللہ (یعنی راہ خدا میں خرچ کرنے) کے عام احکام بیان کر چکا ہوں۔ اب میں اس حکم کے دوسرے حصہ کی تفصیلات بیان کرتا ہوں جو زکوٰۃ سے متعلق ہے، یعنی جسے فرض کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:-

وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۔ (رکوع ۳۷)

جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔

اور اسی کے متعلق سورۂ انعام میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے باغ اُگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں لہذا:-

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۔ (رکوع ۱۷)

اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور پیداوار کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار کے متعلق ہیں اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خود رَد پیداوار مثلاً لکڑی اور گھانس اور بانس کے سوا باقی جتنی چیزیں غلہ اور ترکاری اور پھلوں کی قسم سے نکلیں ان سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیداوار

آسمانی بارش سے ہو اس میں اللہ کا حق دسواں حصہ ہے اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش یعنی آب پاشی سے ہو اس میں اللہ کا حق بیسواں حصہ ہے۔ اور یہ حصہ پیداوار کٹنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا حکم سورۂ توبہ میں آتا ہے۔ وہاں اول تو یہ فرمایا کہ:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (۹ع ۵)	جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس میں سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ اس دن کے عذاب کی جب ان کے اس سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب اپنے ان خزانوں کا مزا چکھو۔

پھر فرمایا:۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	صدقات (یعنی زکوٰۃ) اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرض ہے فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب منظور ہو اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور راہ خدا میں اور مسافروں کے لیے۔ اللہ بہتر

حَكِيْمٌ ـ (رکوع ۸) جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

اس کے بعد فرمایا :-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ـ (رکوع ۱۳) ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک اور صاف کر دو ۔

ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مال جمع کیا جائے اور بڑھایا جائے اور اس میں سے راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے وہ ناپاک ہوتا ہے ۔ اس کے پاک کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس میں سے خدا کا حق نکال کر اس کے بندوں کو دے دیا جائے ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب سونا اور چاندی جمع کرنے والوں پر عذاب کی دھمکی آئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے ، کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوتے تھے کہ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھو ۔ سب خرچ کر ڈالو ۔ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور قوم کی پریشانی کا حال عرض کیا ۔ آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ تم پر اسی لیے فرض کی ہے کہ باقی اموال تمہارے لیے پاک ہو جائیں ۔ ایسی ہی روایت حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال دی تو جو حق تجھ پر واجب تھا وہ ادا ہو گیا ۔

آیات مذکورۂ بالا سے نو صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا حکم ملتا ہے لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی مال ، اونٹ ، گائے اور بکریوں میں بھی زکوٰۃ ہے ۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ۵۲ ½ تولہ کے قریب ہے اور سونے کا نصاب ۷ ½ تولہ ۔ بکریوں کا نصاب ۴۰ بکریاں اور گائے کا نصاب ۳۰ ہے ۔ یعنی جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے ۔ چاندی اور سونے کے متعلق حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں الگ الگ بقدر نصاب نہ ہوں لیکن دونوں مل کر

نصاب کی حد تک پہنچ جاتے ہوں تو ان میں سے بھی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔

سونا اور چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک ان کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہی قول لیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کہ کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو۔ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اس کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں؟ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی۔ میں نے حضور سے پوچھا کیا یہ کنز ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس میں سونے کی مقدار نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہے اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کنز نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں تب بھی اسی طرح زکوٰۃ ہے جس طرح نقد کی صورت میں ہونے پر ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حق دار بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) فقراء۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو مگر ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔ تنگ دستی میں گزر بسر کرتے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔ امام زہری، امام ابو حنیفہ، ابن عباس، حسن بصری، ابو الحسن کرخی اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی یہی تعریف فرمائی ہے۔

(۲) مساکین۔ یہ بہت ہی تباہ حال لوگ ہیں جو مانگنے پر مجبور ہوں جن کے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے ہیں جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں مگر انہیں روزگار نہ ملتا ہو۔

(۳) عاملین علیہا۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے

کے لیے مقرر کیے۔ ان کو زکوٰۃ ہی کی مد سے تنخواہ دی جائے گی۔

(۴) مولفۃ القلوب ۔ ان سے مراد نومسلم ہیں۔ اگر نومسلم اپنی قوم کو چھوڑنے اور سب سے الگ ہو کر مسلمانوں میں آملنے کی وجہ سے بے روزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو تب تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں پر ویسے ہی فرض ہے لیکن اگر وہ مال دار ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دینی چاہیے تاکہ اس کا دل اسلام پر جم جائے۔ جنگ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے نومسلموں کو بہت مال دیا حتیٰ کہ ایک ایک شخص کے حصہ میں سَو سَو اونٹ آئے۔ انصار نے اس کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ابھی ابھی کفر سے اسلام میں آئے ہیں۔ میں ان کے دل خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بنا پر امام زُہری نے مولفۃ القلوب کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ "جو عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو"۔

(۵) فی الرقاب ۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہو اس کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑا لے۔ آج کل کے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ جو لوگ جُرمانہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں ان کو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی فی الرقاب کی تعریف میں آجاتا ہے۔

(۶) الغارمین ۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرض دار ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے پاس ہزار روپیہ ہو اور وہ سَو روپے کا قرض دار ہو تو بھی اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس پر اتنا قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مقدار نصاب سے کم مال بچتا ہو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی فضول خرچیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے قرض دار ہوا ہو اس کو زکوٰۃ دینا مکروہ

ہے کیونکہ پھر وہ اس بھروسے پر اور زیادہ جرأت کے ساتھ بدکاریاں اور فضول خرچیاں کرے گا کہ زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دوں گا۔

(۷) فی سبیل اللہ۔ یہ عام لفظ ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے لیکن خاص طور پر اس سے مراد خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدد کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ لینا کسی مال دار آدمی کے لیے جائز نہیں لیکن اگر مال دار آدمی جہاد کے لیے مدد کا حاجت مند ہو تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔ اس لیے کہ ایک شخص اپنی جگہ مال دار سہی لیکن جہاد کے لیے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں ان کو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی چاہیے۔

(۸) ابن السبیل یعنی مسافر۔ اگرچہ مسافر کے پاس اس کے وطن میں کتنا ہی مال ہو، لیکن حالت مسافرت میں اگر وہ محتاج ہے تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہیے اور کس حال میں نہ دینی چاہیے۔ اس کی بھی تھوڑی سی تفصیل آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔

(۱) کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ اس میں فقہا کا اتفاق ہے۔ بعض فقہا یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسے قریبی عزیزوں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے جن کا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمہارے شرعی وارث ہوں۔ البتہ دور کے عزیز زکوٰۃ کے حق دار ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ حق دار ہیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نکال کر اپنے ہی عزیزوں کو نہ ڈھونڈتے پھرو۔

(۲) زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے۔ غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں زکوٰۃ کی

تعریف یہ آئی ہے کہ تُوخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ کُمْ وَ تُرَدُّ فِی فُقَرَاءِ کُمْ یعنی وہ تمہارے مال داروں سے لی جائے گی اور تمہارے ہی فقیروں میں تقسیم کر دی جائیگی۔“ البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں سے حصہ دیا جاسکتا ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے غریبوں میں صرف ہونی چاہیے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں بھیجنا اچھا نہیں ہے الّا یہ کہ وہاں کوئی حق دار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آگئی ہو کہ دُور و نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچنی ضروری ہو جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔ قریب قریب یہی رائے امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کی بھی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے۔

(۴) بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کے کھانے کا سامان ہو اسے زکوٰۃ نہ لینی چاہیے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۰ روپے اور بعض فرماتے رضی اللہ عنہ اور تمام حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس۵۰ روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس میں مکان اور گھر کا سامان اور گھوڑا اور خادم شامل نہیں ہیں۔ یعنی یہ سب سامان رکھتے ہوئے بھی جو شخص پچاس۵۰ روپے سے کم مال رکھتا ہو وہ زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے۔ اس معاملہ میں ایک چیز تو ہے قانون اور دوسری چیز ہے درجۂ فضیلت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ درجۂ فضیلت تو یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص صبح شام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو وہ اگر سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اپنے حق میں آگ جمع کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص لکڑیاں کاٹے